Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 6, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com
Research Article

یاسمین کوثر
لیکچرار اردو گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج برائے خواتین ونہار بوچھال کلاں، چکوال
ڈاکٹر فہمیدہ تبسم
ایسوسی ایٹ پروفیسر، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

حجاب امتیاز علی تاج کے ناول ”پاگل خانہ“ کا ماحولیاتی مطالعہ

Yasmeen Kausar
Lecturer in Urdu Government Associate College for Women, Wanhar, Buchal Kalan, Chakwal
Dr. Fahmida Tabassum
Associate Professor Federal Urdu University, Islamabad

An Ecocritical Study Of Hijab Imtiaz Ali Taj's Novel "Pagal Khana"

Received: Oct 2, 2025
Accepted: Nov 20, 2025
Published: Dec 30, 2025

Ecocriticism is a literary theory that studies environmental themes in literature the natural environment and the relationship between human and nature. Its purpose is to examine how various literary texts depict environmental issues, the impact of human activities and portray nature. Ecocriticism is a method of literary criticism that analyses the relationship between literature, culture and environmental concerns. It seeks to understand how human experiences can be conveyed in relation to the natural environment and how the natural world is represented in literature. Hijaab Imtiyaaz Ali is a prominent novelist in Urdu literature. In her novel "Paagal Khaana" she vividly reflects all aspects of environmental criticism.

Keywords: Literature, Environmental Issues, Environmental Themes, Hijaab Imtiyaaz Ali, Pagal Khana

آج دنیا کو جن بڑے مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے ان میں سے ایک اہم مسئلہ ماحولیات کا ہے۔ ماحولیاتی آلودگی اور بگاڑ ایک عفریت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ زمین تمام سیاروں میں وہ واحد کرہ حیات ہے جہاں زندگی کا وجود ہے۔ انسان اور دیگر حیاتیات اور نباتات کے لیے یہ کرہ حیات وہ واحد قطعہ بحر و بر ہے جہاں روئیدگی ہے نشوونما ہے، پناہ ہے اور بقا ہے۔ بہ صد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے زعم میں بیماری کی حد تک مبتلا ہو کر اپنے ہی ہاتھوں سے اس کرہ حیات کو برباد کرنے پر کمربستہ ہے۔ یہ انسان کا ایسا خودکش عمل ہے کس کے مہلک نتائج مختلف صورتوں میں جلد یا بعد پر سامنے آ رہے ہیں۔ شاید اسے بالکل ہی ادراک نہیں کہ اس کی دیگر مخلوقات میں کیا حیثیت ہے؟ اس کرہ ارض پر ایک پھپھوندی بھی ناپید ہو جائے تو بہت سے نباتات اور حیوانات کے ساتھ انسان کی بقا بھی خطرے میں پڑ جائے گی مگر انسان کے ختم ہونے سے شاید اس کرہ حیات کی کسی بھی مخلوق کو کوئی فرق بھی نہ پڑے۔ آج ہم اور ہمارا ماحول جن مسائل سے نبرد آزما ہے ان میں عالم گیر ایٹمی دور اور اس کے تباہ کن اثرات، تاب کاری کا ست روز پر حد سے بڑھتا جنگی جنون کیمیاوی جراثیمی ہتھیاروں کا استعمال، عالمی آبادی میں خطرناک حد تک اضافہ، اس اضافے سے بڑھتے غذائی مسائل اس مسائل وضروریات سے نمٹنے کے لیے

اپنائے گئے غیر ضروری ذرائع کاشت وپیداوار کیمیاوی کھادوں اور زہروں کا بے دریغ استعمال، عالمی درجہ حرارت میں آبادی میں ہوش ربا حد تک اضافہ، زمین کا روز بروز بڑھتا درجہ حرارت، اس قدر بڑھتے درجہ حرارت سے پگھلتے گلیشیئرز، مرتے دریا، چڑھتے سمندر، سمندروں کا بڑھتا زہریلا پن، سمندری حیات کی بقا کو لاحق خطرات، موسموں کی شدت اور مدت میں تغیر و تبدل، ماحولیاتی انحطاط کے باعث جنگلات، دریاؤں اور ان میں پناہ گزین حیاتیات اور نباتات کی معدومیت، درختوں کے کٹنے سے بارشوں میں خطرناک حد تک کمی، زمین پر کوڑا کرکٹ کے غلیظ انبار اور ان سے پھوٹنے والی نت نئی بیماریاں شامل ہیں۔

فلسفۂ ماحولیات فطری دنیا اور اس کی تمام مخلوقات کے بیچ باہمی رشتے کو تسلیم کرتے ہوئے بشر مرکزیت کے حامل فلسفے کو رد کرتا اور انسان سمیت تمام مخلوقات کو برابر کا درجہ دیتا ہے۔ یہ فلسفہ زندگی کی تمام صورتوں کو زندہ اور برقرار دیکھنا چاہتا ہے۔ فلسفۂ ماحولیات کا دعویٰ اور مطالعہ ہے کہ انسان کی مانند غیر انسانی مخلوق، خواہ نباتات، جمادات یا پھر حیوانات ہوں، ان سب کا احترام لازم ہے، بلکہ ان کو زندہ رہنے، بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا قانونی اور آفاقی حق حاصل ہے۔

ماحولیاتی تنقید کی اصطلاح پہلی بار 1978ء میں ولیم روکرٹ نے اپنے مقالے ''ادب اور ماحولیات: ماحولیاتی تنقید کا ایک تجربہ'' میں استعمال کی تھی۔ بعد ازاں 1992ء میں ادب اور ماحول کے مطالعے کے لیے ایک ادبی تنظیم اے ایس ایل ای کے نام سے بنائی گئی، جس میں یورپ اور ایشیا کے ادیبوں اور دانش وروں کو شامل کیا گیا۔ اس سلسلے میں ہمیں نظریہ ساز نقادوں اور مفکروں کی بجائے محض چند درد مند ادیبوں، اساتذہ اور دانش وروں کے خیالات ملتے ہیں، جو فطرت اور ادب کے تعلق کے حوالے سے ظاہر کیے گئے ہیں۔ اب ذرا سا غور کریں، ساختیات، پس ساختیات، نومارکسیت، تانیثیت اور مابعد نوآبادیات کا نام لیتے ہی آپ کے ذہن میں بڑے مفکروں کے نام آئیں گے۔ چونکہ ماحولیاتی تنقید کا دائرہ جس قدر بڑا ہے، اس قدر کوئی بڑا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوا۔ حالانکہ ماحولیاتی تنقید کا سروکار ماحول کی بقا سے ہے، جس سے انسانی بقا کا براہ راست تعلق ہے۔ اس حوالے سے یہاں چند دانش وروں کے نام لینا چاہتی ہوں، جنھوں نے ماحولیات کے حوالے سے قلم اٹھایا ہے۔ مغرب میں اس حوالے سے ایلورٹ، کولٹ، آرنے نائس، جارج سیشنز اور بیری کالز وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ ماحولیاتی تنقید ایک زمین ساز نظریہ ہے، جس میں ادب اور فطرت کے باہمی تعلقات، رشتوں اور وابستگی کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ یہ توقع کی جاتی ہے کہ ادبی متون میں فطرت سے متعلق گوناگوں اظہارات کی کیفیت اور نوعیت کو تنقیدی عمل سے گزار کر ماحولیاتی معاملات کو باقاعدہ طور پر تنقیدی ڈسکورس کا حصہ بنایا جائے۔ پیٹر بیری اس نظریے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آیئے دیکھتے ہیں۔

"Simply defined, ecocriticism is the study of the relationship between literature and the physical environment."

Cheryll Glotfelty"But should we call it ecocriticism or green studies? Both terms are used to denote a critical approach which began in the USA in the late 1980s and in the UK in the early 1990s, and since it is an emergent movement." 1

غرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ ماحولیاتی تنقید ایک ایسے طرزِ مطالعہ کا نام ہے جو زبان، ثقافت، جنس اور تاریخی و سماجی عوامل و محرکات کے ساتھ ساتھ زمین مرکز یا ماحول اساس منہاج اختیار کرتی ہے۔ ماحولیاتی تنقید فطرت کی بحالی پر زور دیتی ہے۔ اردو ادب میں ماحولیاتی تنقید کی بات کی جائے تو ہمارے یہاں یہ نظریہ اکیسویں صدی میں متعارف ہوا، لیکن ابھی تک اس حوالے سے بہت کم لکھا گیا ہے۔ لکھنے والوں میں نسترن احسن فتیحی، پروفیسر ارباب رضوی، ڈاکٹر اورنگزیب نیازی، پروفیسر عتیق اللہ، ڈاکٹر مولا بخش، ڈاکٹر ناصر عباس نیر اور ڈاکٹر ضیاء الحسن وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔

جہاں تک اردو ناول کا تعلق ہے، اس کے وسیع کینوس میں فطرت، قدرتی ماحول، ماحولیاتی حسن، مختلف خطوں کا لینڈ اسکیپ، منظر نگاری اور رعنائیت جیسے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا وسیع تر اور بدترین مسائل کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ دورِ حاضر کے ناول نگاروں نے بدلتی ہوئی صورتِ حال پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے معاشی، اقتصادی، سماجی اور تہذیبی نظام کے مسائل کے ساتھ ساتھ ماحولیات کا بھی مشاہدہ کیا۔ انہوں نے نہ صرف ماحولیاتی تغیرات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا بلکہ اپنی تخلیقات میں ان مسائل کا حل بھی پیش کیا۔ دورِ حاضر کے ناولوں میں شہر کاری، طاقت ور ٹرانسمیٹرز کی ریڈی ایشن، اس سے پھیلتے ہوئے ماحولیاتی توازن کے انتشار، درختوں کی بڑے پیمانے پر کٹائی، انسان کو قدرت سے دور کرنے والی مصنوعی اشیا کی ایجادات، ماحولیاتی بحران اور آلودگی کی عکاسی ملتی ہے۔ حجاب امتیاز علی کا ناول ''پاگل خانہ'' پہلی بار 1980ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کا پیش لفظ ڈاکٹر نذیر احمد نے تحریر کیا۔

ناول ''پاگل خانہ'' اپنے نام ہی سے موضوع اور مقصد کو ظاہر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حجاب نے اپنے اس ناول میں دنیا کو پاگل خانہ قرار دیا ہے۔ یہ ناول عالمی امن کے حوالے سے ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ناول میں ایٹم بم کی ایجاد اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ حجاب نے ایٹم بم اور نیوٹران بم کے باعث انسانی دنیا میں رونما ہونے والے ہولناک واقعات اور حادثات کی مؤثر تصویر کشی کی ہے۔

حجاب کا ''پاگل خانہ'' پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تابکاری کے اثرات، مضر دھوئیں اور کیمیائی کھادوں کے استعمال سے پیدا ہونے والی ایسی غذاؤں، جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہیں، جیسے تمام مسائل کی عکاسی کرتا ہے۔ ان مسائل کا شکار معاشرے کا ہر طبقہ اور ہر فکر و نظر کا انسان ہے۔ یہ مسائل کسی ایک خطے یا ملک کے نہیں بلکہ عالمگیر ہیں۔

ان عالمگیر مسائل کو بیان کرتے ہوئے حجاب کا قلم کہیں بھی ڈگمگاتا نہیں، بلکہ ان کے اسلوبِ نگارش کی رنگینیاں ناول میں جابجا ملتی ہیں۔ پاکستانی اردو ناولوں میں یہ ایسا ناول ہے جو اپنے اندر سائنس فکشن کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بلاشبہ یہ سماجی، معاشی اور سائنسی مسائل کی خوب عکاسی کرتا ہے۔ ناول نگار نے ان سماجی و معاشی مسائل کی تصویر کشی کرتے ہوئے ناول کے کینوس میں مختلف رنگ بھرے ہیں۔ ناول میں عالمگیر مسائل کی بڑی فن کاری سے عکاسی کی گئی ہے۔

ہر ملک کا باشندہ امن کا خواہاں ہے، فضائی آلودگی ہر خطے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے، لوٹ مار کا بازار ہر جگہ گرم ہے اور کیمیائی گیسیں ہر جاندار کو اپنا شکار بنا رہی ہیں۔ یہ وہ ناہمواریاں ہیں جنہیں ناول نگار نے ناول کے پلاٹ میں خوب صورتی سے پرویا ہے۔ یہ حجاب کی فنی صلاحیت ہی نہیں بلکہ ان کے گہرے مطالعے اور مشاہدے کا بھی ثبوت ہے۔ ان کے اسلوب کا کمال یہ ہے کہ ناول کہیں بھی محض معلوماتی تحریر معلوم نہیں ہوتا، بلکہ واقعہ نگاری میں حقیقت ہر جگہ موجود ہے۔ ڈاکٹر غفور شاہ قاسم ناول ''پاگل خانہ'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ ناول سائنسی فینٹسی ہے۔ اس ناول میں انہوں نے ایٹم اور نیوٹران بم کی تباہ کاریوں پر بحث کی ہے۔ یہ ایک علامتی، انتہاہی اور مزاحمتی ناول ہے، جس میں سائنس کی تخریب کاریوں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔''2

حجاب کو اپنا یہ ناول بے حد پسند تھا۔ حجاب مرزا اطہر بیگ کو ایک مکتوب میں لکھتی ہیں:

''مجھے اپنی کتابوں میں، جو سولہ سترہ کے قریب ہیں، دو بہت پسند ہیں: پاگل خانہ اور ظالم محبت۔''3

حجاب کا یہ ناول ان کی جنگ سے نفرت اور امن سے محبت کا عکاس ہے۔ یہ ناول لکھنے کے لیے انہیں بہت زیادہ مطالعہ کرنا پڑا اور بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ لکھتی ہیں:

''پاگل خانہ کا مرکزی خیال سائنس کے گرد بُنا گیا ہے۔ اس کے باوجود میں نے کہانی کا عنصر ناول میں برقرار رکھا ہے۔ میں نے اس ناول پر بڑی محنت کی ہے کیونکہ سائنس میرا موضوع نہیں ہے، اس لیے مجھے بہت پڑھنا پڑا۔ بلکہ میں نے اس سلسلے میں تورات، زبور اور قرآنِ پاک کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ دراصل میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ موجودہ تناؤ سائنسی ترقی کا نتیجہ ہے۔''4

''پاگل خانہ'' کے مرکزی کرداروں میں روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی شامل ہیں۔ روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی کو لے کر اس کی تلاش میں نکلتی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں جہاں بھی جاتی ہے، دہشت ناک مناظر اس کا استقبال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسے دنیا میں امن کہیں نظر نہیں آتا۔ ہر جگہ بدامنی، وحشت اور ہولناکی ہے اور خوف کی فضا طاری ہے۔

روحی اس سب کی وجہ سائنس کو قرار دیتی ہے کیونکہ سائنس دانوں نے سائنس کی مدد سے دنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ روحی کو محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ بہت تبدیل ہو چکا ہے اور پرانے دور کی تہذیب و تمدن کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ نئے دور کے ساتھ ایک نئی تہذیب سامنے آئی ہے، لیکن یہ ایسی تہذیب ہے جس کا مقصد دنیا میں دہشت اور تخریب کاری کو جنم دینا ہے۔ ایسے ماحول میں کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہیں اور ہر طرف عجیب افراتفری کا سماں ہے۔ اس ماحول میں امن کی خواہش دیوانے کا خواب معلوم ہوتی ہے۔ روحی کا کردار بہت جان دار ہے، جو پورے ناول پر حاوی نظر آتا ہے۔ روحی ایک نڈر لڑکی ہے، جو ہر قسم کے حالات کا بہادری سے مقابلہ کرتی ہے۔ چونکہ وہ مصنفہ ہے، اس لیے معاشرے کے مسائل کو زیادہ حساس نظر سے دیکھتی ہے۔

ناول کا دوسرا اہم کردار ڈاکٹر گار کا ہے۔ ڈاکٹر گار ایک میڈیکل ڈاکٹر ہے، جو مختلف ممالک میں کانفرنسوں کے سلسلے میں جاتا ہے۔ روحی کے اس سفر میں ڈاکٹر گار اس کے ساتھ شامل ہے۔ روحی اور شوشوئی جب حالات سے دل برداشتہ ہو جاتی ہیں اور امید ہارنے لگتی ہیں تو ڈاکٹر گار انہیں زندگی کی امید دلاتا ہے۔ ناول ''پاگل خانہ'' کا تیسرا کردار شوشوئی کا ہے۔ شوشوئی روحی کی بچپن کی دوست ہے۔ وہ فلسفے کی طالبہ رہ چکی ہے اور ناول میں اکثر روحی کے ساتھ فلسفیانہ بحث و تکرار کرتی نظر آتی ہے۔ ناول کے آغاز میں روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی باتوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اچانک مالی آکر بتاتا ہے:

''مالی ہاتھ میں کھرپی لیے بے تحاشا بھاگتا ہوا ہمارے قریب آ گیا۔ غضب ہو گیا، خاتون روحی! غضب ہو گیا۔''

''کیا ہوا ہے؟'' ہم تینوں نے بیک وقت پوچھا۔

مالی بمشکل کہنے لگا:

''چوکیدار کے بچے کو کوئی اغوا کر کے لے جا رہا تھا۔ چوکیدار اس کے تعاقب میں بھاگا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ لاش سڑک پر پڑی ہے۔'' اس غیر معمولی اور خلافِ توقع خبر کو سنتے ہی ہم تینوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ شوشوئی دہشت کے مارے رونے لگی۔

''اب کیا ہو گا، روحی؟'' میں بولی'': اب میرے سفر کا ارادہ مستحکم ہو گیا ہے۔ میں پرسوں اس مقام کو چھوڑ رہی ہوں۔''5

اچانک سردی کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ تینوں گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر گار اور شوشوئی پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ تینوں کار سے باہر نکل آتے ہیں۔ ڈاکٹر گار کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوتی ہیں۔ وہ شدید پریشانی سے یوں گویا ہوتے ہیں:

''موسم کی یہ اچانک تبدیلیاں تشویش ناک ہیں۔ ممکن ہو تو ہمیں یہاں سے کسی نہ کسی طرح فوراً چل دینا چاہیے۔ منزل تک پہنچتے پہنچتے نہ جانے ہمارا کیا حشر ہو۔ کسی مقام کے آفت زدہ ہونے کا اندازہ وہاں وقت گزارنے یا جسمانی عوارض شروع ہونے پر ہی ہو سکتا ہے۔''6

اب اچانک سردی کی لہر ختم ہونے لگی تھی۔ روحی، ڈاکٹر گار اور شوشوئی تینوں خاموش اور اداس تھے۔ بنی نوعِ انسان پر آئندہ اور بھی موسم آئیں گے، شاید نرالے اور شدید۔ ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے دریاؤں میں طغیانیاں آئیں اور مچھلیاں پانی سے باہر آ گریں۔

پہلے ہم سورج کی شعاعوں سے قدرتی طور پر ایک حد تک محفوظ ہوا کرتے تھے۔ مادرِ قدرت نے انسان کو سورج کی تابکاری سے محفوظ رکھنے کے لیے زمین کے گرد اوزون کی تہہ لپیٹ رکھی تھی، لیکن آئے روز ہونے والے تجربات، دھماکوں، فیکٹریوں سے اٹھنے والے دھوئیں، فالتو کیمیائی اشیا کو پانی میں پھینکنے اور کیمیائی اشیا کے غیر فطری اور بے دھڑک استعمال نے اوزون کی تہہ کو کمزور کر دیا ہے۔ یہ تہہ دن بہ دن مضمحل ہوتی جا رہی ہے اور ہم قدرتی تحفظ سے محروم ہو کر سورج کی تابکاری کا براہِ راست شکار بنتے چلے جا رہے ہیں۔

فیکٹریوں کے بغیر ہماری ضروریات کیسے پوری ہو سکتی ہیں؟ مصنوعی کھادوں اور کیڑے مار ادویات کے بغیر زراعت کا کام کیسے کیا جا سکتا ہے؟ دھماکوں کے بغیر دنیا کی جنگوں کی تیاریاں کیسے مکمل ہو سکتی ہیں؟ مگر ان سب کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ انسان کے تحفظ کے لیے زمین کے گرد لپٹی ہوئی آکسیجن کی تہہ کمزور پڑتی جا رہی ہے اور ہم براہِ راست تابکاری کی لپیٹ میں آ رہے ہیں۔ جلد کے پیچیدہ امراض اور کینسر کی وبا عام ہوتی جا رہی ہے۔ موسم بھی بے قابو ہو چکے ہیں۔

موجودہ دور میں ہم ماحول کے حوالے سے جو رویہ پروان چڑھا رہے ہیں، وہ انسان مرکزیت ہے۔ اس معاشرے میں بنیادی زندگی گزارنے کا حق محض انسانوں کو حاصل ہے، جبکہ باقی سب ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ یوں حیات مرکزیت کا تصور باقی نہیں رہتا۔ آج کے دور میں ایسی کیمیائی کھادیں اور اسپرے استعمال کیے جا رہے ہیں جو نہ صرف جانوروں اور پرندوں کے لیے جان لیوا ثابت ہوتے ہیں بلکہ ان کے باعث کئی طرح کی اعصابی بیماریاں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ فصلوں پر اسپرے اور کیمیکلز کا استعمال زرعی پیداوار میں بہت اہمیت رکھتا ہے، لیکن ان کا غلط یا ضرورت سے زیادہ استعمال انسانی صحت اور ماحول پر منفی اثرات ڈال سکتا ہے۔ کیمیائی اسپرے اور جڑی بوٹیاں تلف کرنے والے کیمیکلز فصلوں کی افزائش اور بیماریوں پر قابو پانے میں مددگار ہوتے ہیں، لیکن ان کے استعمال سے مختلف خطرات بھی وابستہ ہیں۔ یہ کیمیکلز انسانوں اور جانوروں پر منفی اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔

بنیادیں ہلا دیں اور ہر چیز زہر آلود ہو چکی تھی۔ چاہے وہ کھانے کی چیز ہو، پینے کا پانی ہو یا سانس لینے کی فضا، ہر شے زہر آلود تھی۔ ان تمام تباہ کاریوں میں جو چیز سب کو حیرت میں مبتلا کر رہی تھی، وہ پھولوں کا کھلنا اور گھاس کا ہرا بھرا ہونا تھا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر جب ایٹم بم گرائے گئے تو اس کے بعد سامنے آنے والے اثرات میں بڑی تعداد میں پھولوں کا کھلنا بھی شامل تھا۔ اگرچہ ان علاقوں میں بے شمار بیماریاں پھوٹ پڑی تھیں، لیکن ہر طرف پھولوں اور گھاس کو دیکھ کر لوگ حیران ہو رہے تھے کہ انسان مر رہے ہیں اور پھول اُگ رہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کے مرنے اور ان کی لاشوں کے تحلیل ہونے کے باعث زمین زرخیز ہو گئی تھی۔ زمین کی زرخیزی سے وہاں پھول اور گھاس اُگنے لگے۔ گھروں کی چھتیں ہوں یا بڑے بڑے میدان، ہر جانب سبزہ لہرا رہا تھا اور اس میں پھول کھل رہے تھے۔ مصنفہ نے اس المیے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ انسانی زندگی کی کھیتی خشک ہو رہی تھی، لیکن پھول اُگ رہے تھے۔ یہ صورتِ حال وہاں کے لوگوں کے لیے ایک معما بنی ہوئی تھی۔ دراصل ایٹم بم گرنے کے بعد متاثرہ علاقے کی ماحولیاتی صورتِ

حال انتہائی خطرناک اور غیر مستحکم ہو جاتی ہے۔ ہیروشیما پر ایٹم بم گرنے کے بعد وہاں کی زمین مکمل طور پر تباہ ہو گئی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کئی دہائیوں تک دوبارہ نہیں لوٹے گی۔ تاہم چند ہی مہینوں بعد اس ویران زمین پر پھول اور پودے اُگنا شروع ہو گئے۔

اس عمل نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس حیرت انگیز عمل کے پیچھے قدرتی عوامل اور نباتات کی قوتِ برداشت نے اہم کردار ادا کیا۔ بعض پودے، جیسے بانس، تابکاری اور سخت حالات میں بھی زندہ رہنے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ پودے زمین کے اندر موجود بیجوں یا جڑوں سے دوبارہ اُگنے لگے۔ اگرچہ زمین تابکار ہو چکی تھی، لیکن دھماکے کے بعد مٹی کی اوپری تہہ میں کچھ غذائی اجزا باقی رہ گئے تھے، جنہوں نے نباتات کو سہارا دیا۔ بارش نے تابکاری کے بعض اثرات کو دھو دیا اور مٹی کے حالات بہتر ہونے لگے۔ بعض پودوں کے بیج انتہائی مشکل حالات میں بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ یہ بیج زمین کے نیچے محفوظ رہے اور حالات بہتر ہونے پر دوبارہ اُگنے لگے۔ کچھ خوردبینی جانداروں اور بیکٹیریا نے مٹی کی زرخیزی بحال کرنے میں مدد دی، جو پودوں کی نشوونما کے لیے ضروری تھی۔ ہیروشیما میں پھولوں کا دوبارہ اُگنا نہ صرف قدرت کی طاقت اور لچک کی علامت ہے بلکہ امید کی ایک نشانی بھی ہے۔ وہاں اُگنے والے پھول اور دیگر نباتات آج امن اور زندگی کی بحالی کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ فطرت کے پاس زخم بھرنے اور نئی زندگی دینے کی زبردست صلاحیت موجود ہے، چاہے حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں۔ یہ خطرہ انسان کے لیے دن بہ دن بڑھتا جا رہا ہے کہ کہیں سانس لینے کے لیے اوزون باقی نہ رہے اور مخلوق دم گھٹنے سے مر جائے۔

کچھ عرصہ پہلے امریکہ میں تمازتِ آفتاب کے باعث ایک ہزار افراد فوت ہو گئے تھے۔ دنیا کے موسم اب قابو میں نہیں رہے۔ نت نئی سائنسی ایجادات نے ان میں تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ شہر، صحرا، حتیٰ کہ سمندر بھی مسموم ہو چکے ہیں۔ سمندروں کی تہ میں رہنے والی مخلوق بھی آج محفوظ نہیں۔ پانی، مچھلیاں اور سمندری پودے بھی متاثر اور مسموم ہو چکے ہیں۔ یہ خطرناک حالات ایٹمی آزمائشی تجربات کے بعد بچ جانے والا نیوکلیئر کوڑا سمندروں میں پھینکنے کا نتیجہ ہیں۔ مصنفہ اس صورتِ حال کو یوں بیان کرتی ہیں:

"نیاگرا کے جنوب مشرق میں ایک بستی آباد تھی، جہاں سات سو خاندان اپنے معصوم بچوں، عورتوں اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ آباد تھے۔ نیوکلیئر کوڑے نے اس بستی اور اس کے باشندوں کو اجاڑ کر رکھ دیا۔ اب وہاں کے لوگ دوسری جگہ منتقل ہونے کے باوجود اپنی آئندہ نسلوں کے لیے فکر مند ہیں کہ کہیں وہ جلدی امراض، خون کی خرابی، سرطان اور ناقص الخلقت بچوں کی پیدائش جیسے مسائل کی زد میں نہ آ جائیں۔" وہاں فیکٹریاں قائم تھیں، جن میں کیمیائی اشیا تیار کی جاتی تھیں۔ ان فیکٹریوں کا کیمیائی فضلہ ایک نہر میں پھینک دیا جاتا تھا۔ کچھ عرصے بعد وہاں کے باشندوں میں تشنج، سرطان، آنتوں کے پھوڑوں، جگر اور گردوں کے امراض اور عورتوں میں اسقاطِ حمل کے واقعات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔"7

ٹی بی بورڈ کی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ کیمیائی کوڑے نے یہ تباہی مچائی ہے، جسے یہ لوگ سالہا سال سے نہر میں پھینکتے آئے تھے۔ آخر کار حکومتِ امریکہ نے اس بستی کو آفت زدہ قرار دے کر وہاں کے باشندوں کو دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ مگر اب بھی لوگ اپنی آئندہ نسلوں کے لیے پریشان ہیں اور انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں ان کے بچے لیوکیمیا، پھوڑوں، آنتوں کے سرطان اور دیگر امراض کے ساتھ پیدا نہ ہوں۔ ایٹمی تباہی، فضائی آلودگی، بم دھماکے، دھواں اور نیوکلیئر فضلہ پرندوں کی موت کا سبب بنے۔ جو پرندے بچ گئے، وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ان کے گیت ہمیں سنائی نہیں دیتے۔ رابن اور ہزاروں دوسرے پرندوں کا مسکن ایلم کے درخت تھے۔ تعلیمی اداروں کے وسیع احاطوں میں ان درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں سیکڑوں طالب علم پناہ لیتے، اپنے درسی اسباق ذہن نشین کرتے اور مسافر ان کے سائے میں بیٹھ کر آرام کرتے تھے۔ اب نہ چناروں کے گھنے سائے رہے اور نہ چڑیاں رہیں۔ زہریلی کیمیائی ادویات کا مسلسل چھڑکاؤ اس صورتِ حال کا باعث بنا۔

ابتدا میں ماہرینِ حیاتیات کو بھی علم نہیں تھا کہ کیمیائی اثرات انسانی زندگی کے علاوہ نباتات کے لیے بھی سُم قاتل ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ بات تحقیقات کے بعد پایۂ ثبوت کو پہنچی۔ اب دنیا کی صنعتی ترقی ہی پر نظر ڈالیے، فیکٹریاں، کارخانے مختلف صنعتی ادارے ہر شہر اور ہر گاؤں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے باعث دنیا میں فضائی آلودگی میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ ماحول میں دن بہ دن آکسیجن کی کمی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زیادتی ہوتی جا رہی ہے۔ زراعت بھی آج ڈی ڈی ٹی، مصنوعی کھادوں اور دوسری خطرناک کیمیائی ادویات کے استعمال سے مبرا نہیں ہے۔

ان تمام چیزوں نے ہماری غذا سے غذائیت ختم کر کے اسے ہمارے لیے ضرر رساں بنا دیا ہے۔ آج کی دنیا میں خالص اور قدرتی غذا کسی کو میسر نہیں۔ دنیا کی فضا بتدریج مسموم ہوتی جا رہی ہے۔ ایلم کے درختوں کی تباہی اور رابن کے نغموں کی خاموشی بھی اس کی گواہ ہے۔ کیڑے مار ادویات کے استعمال کے بعد پیدا ہونے والے اناج میں کیمیائی اجزا کی زیادتی کے باعث قدرتی توانائی کی کمی واقع ہو گئی ہے۔ مزید برآں، سائنس نے کچھ عرصے بعد یہ بھی معلوم کر لیا کہ ان ہلاکت خیز ادویات کے مسلسل چھڑکاؤ سے بعض خوفناک نتائج

برآمد ہو سکتے ہیں۔ مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی میں ایک طالب علم نے حیاتیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد محض اتفاقاً رابن کی نسل اور اس کی آبادی کو اپنے مقالے کا موضوع بنایا۔ اس وقت حیاتیات کے کسی طالب علم کو علم نہیں تھا کہ رابن پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ مقالہ لکھنے کے دوران اس کی تحقیقات نے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچا دی کہ نباتات اور حیوانات کی زندگی کیمیائی زہریلی ادویات کے چھڑکاؤ سے نہ صرف خطرے میں پڑ گئی ہے بلکہ ان کے نیست و نابود ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ زہریلے چھڑکاؤ کے بعد اس کا عینی ثبوت بھی مل چکا ہے۔ چھڑکاؤ کرنے والوں نے اس بات کی یقین دہانی بھی کرائی تھی کہ یہ ادویات پرندوں کے لیے کسی طرح ضرر رساں نہیں، لیکن ان کے تمام دعوے جھوٹے اور ناقص معلومات پر مبنی تھے۔ اساتذۂ حیاتیات نے اپنے علمی اداروں کے باغات میں ہزاروں قریب المرگ پرندوں کو دم توڑتے دیکھا۔ اسی ادارے کے ایک ماہرِ حیاتیات نے انکشاف، بلکہ اعلان کیا کہ جہاں کچھ عرصہ پہلے بیسیوں رابن چنار کی ٹہنیوں پر بیٹھ کر نغمے گایا کرتے تھے، اب وہی جگہ ان کا قبرستان بنتی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر کمار کی باتیں سن کر میری بھوک اڑ گئی۔ میں نے اداس ہو کر کہا:

"بھلا ایسی صبح آدمی کیا ناشتہ کرے، جب چائے کے چار گھونٹوں کے ساتھ صبح سویرے چڑیا کا نغمہ سنائی نہ دے۔ سایہ دار درخت اور پرندوں کی نغمہ سرائیاں ہی تو شاعروں اور ادیبوں کی زندگی کا سرمایہ ہوتی ہیں، یا کبھی ہوا کرتی تھیں۔ مگر انسان کی دخل در معقولات نے دنیا کا قدرتی حسن غارت کر دیا ہے۔"

پرندوں اور درختوں کے قتلِ عام پر حیاتیات کے کئی علما نے بہت کچھ لکھا۔ پہلے درختوں کو زہر دے کر ختم کیا گیا، پھر رابن کو بے گھر کر دیا گیا۔ اب وہ گھونسلہ کہاں بنائے، انڈے کہاں دے اور کہاں بیٹھ کر گائے؟ اب اسے اپنی جان اور نسل کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔

اگر ہم تاریخی تناظر میں دیکھیں تو ہیروشیما پر پہلا ایٹمی بم گرایا، جس کا نام لٹل بوائے تھا۔ اس کے نتیجے میں شہر میں بے پناہ تباہی ہوئی اور ہزاروں لوگ فوری طور پر ہلاک ہو گئے۔ تین دن بعد، 19 اگست کو دوسرا ایٹمی بم ناگاساکی پر گرایا گیا، جسے فیٹ مین کہا جاتا ہے۔ اس بم باری کے بعد جاپان نے 15 اگست کو ہتھیار ڈال دیے اور جنگ ختم ہو گئی۔

ان بم دھماکوں کے اثرات نہ صرف فوری طور پر تباہی بلکہ کئی دہائیوں تک جاری رہنے والی تابکاری، بیماریوں اور ماحولیاتی نقصان کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ یہ انسانی تاریخ کے مہلک ترین حملوں میں شمار کیے جاتے ہیں، جنھوں نے دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں کی تباہ کاری سے آگاہ کیا۔ ایٹمی تابکاری سے مراد وہ توانائی ہے جو ایٹمی ذرات یا شعاعوں کی شکل میں خارج ہوتی ہے۔ یہ تابکاری اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایٹمی عناصر، جیسے یورینیم یا پلوٹونیم، کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی کئی طرح کی قسمیں، جیسے الفا شعاعیں، بیٹا شعاعیں اور گاما شعاعیں وغیرہ ہیں۔ ایٹمی دھماکے سے پیدا ہونے والا دھواں اور ملبہ فضا میں بلند ہو کر سورج کی روشنی کو روک سکتا ہے، جسے نیوکلیئر ونٹر کہا جاتا ہے۔ یہ موسمیاتی تبدیلی فصلوں کی تباہی اور خشک سالی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس طرح ایٹم بم کے اثرات فوری نقصان سے بڑھ کر انسانوں اور ماحول کے لیے طویل المدتی مسائل پیدا کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں جو مسائل پیدا ہوئے، ان کو مصنفہ نے یوں بیان کیا ہے:

"مدد مانگنے والوں کی ان ہولناک چیخوں میں دوستوں اور عزیزوں کی جانی مانی، مانوس آواز بھی سنائی دے جاتی تھی، مگر اس دن ہر آدمی اپنی جگہ مجبور تھا۔ مائیں اپنے شیر خواروں کی کوں کاں کا بھی جواب نہیں دے سکتی تھیں۔ باپ اپنے بیٹے کی مدد کو نہیں پہنچ سکتا تھا کہ وہ خود ملبے تلے چند منٹوں کا مہمان تھا۔ تابکاری کے اثرات نے انہیں بیکار کر دیا تھا۔ ٹانگیں ٹوٹی ہوئی، سر سے خون کے فوارے، ہیضے کی علامات، قے پر قے، شدید پیاس، خونی دست، نکسیر پھوٹی ہوئی، اچانک شدید گرمی کا احساس، اچانک شدید سردی کی مصیبت، بخار، سانس میں رکاوٹ اور گوشت لٹکے ہوئے۔ پیاس کی شدت سے لوگ دریا کی طرف بھاگتے تھے۔ پانی پیتے ہی تھے کہ قے شروع ہو جاتی تھی۔"8

ان تباہ کاریوں کے نتیجے میں کئی طرح کی بیماریاں عام ہو گئیں، کیونکہ بم کی صورت میں ہوتا یوں ہے کہ شدید گرمی اور آگ کے طوفان کے باعث درخت، عمارتیں اور دیگر انفراسٹرکچر جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ زہریلی گیسوں اور دھوئیں کے بڑے بادل فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ تابکاری علاقے میں فوری طور پر پھیل جاتی ہے، جس سے جانداروں میں جلد کے جلنے، بیماریوں اور موت کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

تابکاری کے اثرات زمین، پانی اور ہوا کو آلودہ کر دیتے ہیں، جو کئی دہائیوں تک برقرار رہ سکتے ہیں۔ پودوں اور درختوں میں تابکاری جذب ہو کر انہیں غیر زرخیز بنا دیتی ہے۔ پانی کے ذرائع زہریلے ہو جاتے ہیں، جس سے پینے کے پانی کی قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ مٹی تابکاری سے متاثر ہو کر زراعت کے قابل نہیں رہتی اور فصلیں اگانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہوا میں زہریلے ذرات پھیلنے کی وجہ سے سانس کی بیماریاں عام ہو جاتی ہیں۔ دھماکے کے بعد علاقے میں پودوں، جانوروں اور دیگر حیات کی بقا مشکل ہو جاتی ہے۔ جانوروں کی نسل کشی شروع ہو سکتی ہے اور تابکاری کے باعث پیدا ہونے والے جینیاتی نقصانات نسلوں تک منتقل ہو سکتے ہیں۔ ایٹم بم کا دھماکہ نہ صرف فوری تباہی لاتا ہے بلکہ ماحول اور زندگی پر ایسے اثرات چھوڑتا ہے جو نسلوں تک محسوس کیے جاتے ہیں۔ یہی نقصانات ناول میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مزید وہ جانوروں پر اس کے اثرات کا ذکر یوں کرتی ہیں:

"لیکن آئے ہر قدم پر لاشیں ہمارا راستہ روکتی تھیں۔ کبھی انسانی لاش، کبھی کسی کتے یا خرگوش کی لاش ہمارا راستہ روک لیتی تھی۔ آسمان کی فضا صاف ہوتی جا رہی تھی، چاند ستارے بھی چمکنے لگے تھے اور اب ہماری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں۔ ہمارے اطراف جگہ جگہ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ان میں بعض لاشیں گھوڑوں اور کہیں کہیں پرندوں کی بھی تھیں۔"9

مصنفہ نے ایک اور بڑے المیے کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے کہ ہر جگہ انسانوں اور جانوروں کی بکھری ہوئی لاشیں اس بات کی عکاسی کر رہی تھیں کہ تباہی بہت بڑے پیمانے پر پھیلی ہوئی تھی، جو محض انسانوں ہی نہیں بلکہ جانوروں پر بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔ یہ کسی بھی ماحول کی انتہائی بری صورت ہوتی ہے کہ وہ وہاں مقیم ہر طرح کی آبادی کے لیے تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ جانوروں پر یہ تباہی کیسے اثر انداز ہو رہی ہے، اس کا ذکر وہ کچھ یوں کرتی ہیں:

"ڈاکٹر گار بری طرح ہانپ رہا تھا۔ بمشکل کہنے لگا، یہ ہاتھی اچانک پاگل ہو گیا ہے، شہر میں کیسے گھس آیا؟"

شوشوئی نے پوچھا:

"یہ جنگل کا نہیں، کسی کا پالتو ہے۔ اپنے مہاوت کو کچل کر آدھے گھنٹے سے دیوانہ وار گشت کر رہا ہے۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ جنگل کی طرف سے بھی چند درندوں کی خوف ناک چیخوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ یہاں کے لوگ بتا رہے تھے کہ اندیشہ ہے کہ جنگل کے بھی کچھ درندے پاگل ہو رہے ہیں۔ ان سب کو دیوانے کتے نے تو نہیں کاٹا؟"

میں دل میں سوچنے لگی۔"10

درج بالا اقتباس میں جانوروں کے اندر اُمڈ آنے والے وحشیانہ پن کا ذکر ملتا ہے، جو اس خطے میں پھیلنے والی تابکاری کی وجہ سے ممکن ہوا۔ اس میں ایک ایسے ہاتھی کا نقشہ بیان کیا گیا ہے جو کوئی جنگلی جانور نہیں بلکہ ایک پالتو ہاتھی ہے، جس نے اپنے مہاوت کو کچل ڈالا۔ اس کی بنیادی وجہ اس کا پاگل پن تھا۔ محض جنگلی جانور ہی نہیں بلکہ انسانی آبادیوں میں مقیم جانور بھی پاگل ہو رہے تھے۔ کتے دیوانے ہو رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تابکاری کے انسانی زندگی اور مجموعی ماحول پر کس قدر خطرناک اثرات نمودار ہو رہے تھے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو مصنفہ کا یہ ناول ایک حقیقی مسئلے کی عکاسی کرتا دکھائی دیتا ہے، جو موجودہ دنیا میں ماحولیات کے زمرے میں ایک بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ اس مسئلے کے انسانی زندگی پر جو اثرات ہیں، ناول نگار نے ان تمام پہلوؤں کو بخوبی بیان کر کے اس ناول کو اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ اس ناول کا شمار ہمیشہ ان کے بہترین ناولوں میں ہوتا رہے گا۔

حوالہ جات

1. Terry Berry, *Beginning Theory*, India, Print, 2004, Chapter 13, "Ecocriticism," p. 248.
2. ڈاکٹر غفور شاہ قاسم، حجاب امتیاز علی: شخصیت اور فن، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 2010ء، ص120۔
3. حجاب امتیاز علی، مکتوب بنام مرزا حمید بیگ، بقولی، لاہور، نگارشات پبلشرز، 2003ء، ص182۔
4. حجاب امتیاز علی، تصویرِ بتاں، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ص196۔
5. حجاب امتیاز علی، پاگل خانہ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، 1995ء، ص36۔
6. ایضاً، ص95۔
7. ایضاً، ص108۔
8. ایضاً، ص251۔
9. ایضاً، ص265۔
10. ایضاً، ص317تا319۔